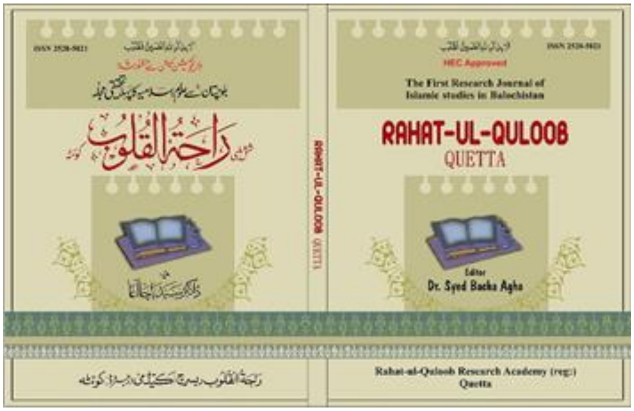

OPEN ACCESS

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

CC BY

RAHAT-UL-QULOOB

Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2025-5021. (E) 2521-2869

Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**

Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.

Website: www.rahatulquloob.com

Approved by Higher Education Commission Pakistan

Indexing: » Australian Islamic Library, IRI (AIOU), Tahqeeqat, Asian Research Index, Crossref, Euro pub, MIAR, ISI, SIS.

TOPIC

نکاح کے لئے عمر کی تحدید: فقہی مباحث اور سیرت کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Review of Jurisprudential Debates and Seerah on Marriage Age

AUTHOR

1. Dr Muhammad Feroz-ud-Din Shah Khagga, Assistant Professor, University of Sargodha, Pakistan. Email: muhammad.feroz@uos.edu.pk
2. Dr. Muhammad Mushtaq Kalota, Director, International seerah study center, Chicago, USA. Email: internationalceerahstudycenter@muslim.com

How to Cite: Dr Muhammad Feroz-ud-Din Shah Khagga, & Dr Muhammad Mushtaq Kalota. (2022). URDU: نکاح کے لئے عمر کی تحدید: فقہی مباحث اور سیرت کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ: An Analytical Review of Jurisprudential Debates and Seerah on Marriage Age. *Rahat-Ul-Quloob*, *6*(2), 01-20. https://doi.org/10.51411/rahat.6.2.2022/414

http://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/337

Vol. 6, No.2 || July–December 2022 || URDU-Page. 01-20

Published online: 04-08-2022

QR. Code

نکاح کے لئے عمر کی تحدید: فقہی مباحث اور سیرت کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Review of Jurisprudential Debates and Seerah on Marriage Age

[1]محمد فیروزالدین شاہ کھگہ [2]محمد مشتاق کلوٹا

ABSTRACT

The Sharia Law is profoundly linked with the Muslim personal. It highly concerns with the relationship between the twosomes; husband and wife as they are the spine of the family. Subsequently, Islamic Sharia permitted people to marry but under the paradigms, set of laws and the suitable rules to regulate it. Moreover, Islam gives guidance for selection of couples and concerns with minors specially and set rules that save their rights and interests including self-mandate. Recently, the phenomenon of marrying young girls spread in the Islamic and Arab states, the thing that caused a severe problem in societies. As a result, some states set a law that allocates a certain age for marriage. This research discusses marrying young girls and allocating a certain age for marriage. The article sheds light on the view of Islam in allocating a certain age for marriage, the criteria of the eligibility of marriage and the effects of allocating a certain age for marriage.

Keywords: Minors Marriage, Puberty age, Standards of eligibility for marriage, Muslim Family Law.

عصر حاضر میں نابالغ بچیوں کے نکاح کے حوالے سے مختلف علمی حلقوں میں بحث ہو رہی ہے اور بنیادی انسانی حقوق کے پس منظر میں اس نکاح کو غیر انسانی قرار دیا جارہا ہے، اسی طرح کم عمری میں شادی کا مسئلہ عالمی توجہ کا مرکز بھی بنا ہوا ہے اور آبادی سے متعلق اقوامِ متحدہ کے ادارے یو این ایف پی اے کی حال ہی میں جاری کی گئی سالانہ رپورٹ کا عنوان بھی "کم سن مائیں" ہے۔ معاصر این جی اوز اور ادارے شادی چھوٹی عمر میں کرنے کے پس منظر میں بہت سے فرسودہ خیالات کارفرما تصور کرتے ہیں مثلاً یہ بات کہ بیٹی والدین کیلئے بوجھ ہے، ایک دانش اور تجربے پر مبنی مسلمہ مقولہ بن چکا ہے جس کی وجہ سے والدین بیٹی کو چھوٹی عمر میں بیاہنے کو ترجیح دیتے ہیں، اسی طرح جن علاقوں اور خاندانوں میں وٹہ سٹہ کی شادی کا رواج ہے، وہاں پر اکثر کم سنی کی شادی دیکھنے میں آتی ہے کیونکہ جب وٹے میں رشتہ کرنے کیلئے بڑی عمر کی لڑکی نہ ہو تو چھوٹی عمر کی لڑکی بیاہ دی جاتی ہے۔ قتل معاف کروانے یا دشمنی کے خاتمہ کیلئے جب بیٹی کا رشتہ دشمن خاندان میں کیا جاتا ہے، اس وقت اگر بڑی عمر کی لڑکی نہ ہو تو کمسن بچیاں نکاح کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔ یہ بھی دعوی کیا جاتا ہے کہ قبائلی نظام پر مبنی اس روایت کے خلاف اسلامی فقہاء اور مفکرین نے بہت کچھ لکھا ہے نیز اس کی بنیاد پر مدلل اور مفید بحث کے ذریعے حالات حاضرہ کے مطابق قانون سازی کی ضرورت ہے۔

واضح رہے کہ پاکستان کے مروجہ قوانین کے تحت شادی کیلئے لڑکی کی کم از کم عمر 16 سال مقرر ہے حقوقِ نسواں کیلئے سرگرم تنظیمیں بھی کم عمری میں شادی کے مسئلے پر قابو پانے کے لیے تجاویز پیش کرتی ہیں اُن میں اس حد کو 18 برس تک بڑھانا ہے۔ چنانچہ اب صوبہ سندھ اور پنجاب میں اس حوالے سے مجوزہ قانون سازی کا عمل جاری ہے۔

معاصر معاشرتی رسوم ورواج کے روایتی تحجر کے تناظر میں بہت سے شرعی مسائل بھی ممتنع الجواز شمار کر لئے جاتے ہیں، جس کا بنیادی سبب شعوری اور نفسیاتی سطح پر شریعت اسلامیہ کے احکامات کی حقیقی اہمیت وعظمت سے بعد وناواقفیت ہے۔ پیش نظر مقالے کا مقصد صغر سنی میں بچیوں کے نکاح کی شرعی حیثیت، فقہاے برصغیر کی آراء کا جائزہ، عصری احوال وظروف کے تناظر میں جدید افکار ومواقیف کا معروضی جائزہ اور فقہاء کے اقوال میں موزوں رائے اور اس کی وجوہ ترجیح کے ساتھ ساتھ قانون سازی کیلئے ممکنہ سفارشات کی شکل میں پیش کرنا ہے۔

عصر حاضر میں مسلم پرسنل لاء کے مختلف قوانین اور مسائل پر یورپی ومغربی حلقوں میں کافی بحث وتمحیص ہو رہی ہے، جس کے اثرات کئی عرب اور اسلامی ممالک میں بھی مشاہدے میں آرہے ہیں، انہی جدید پیش آمدہ مسائل میں سے ایک مسئلہ ازدواجی عمر کی تعیین کا بھی ہے اور یہ مسئلہ معاصر فقہاء اور متقدمین کے درمیان اختلافی چلا آرہا ہے، نابالغہ، کم سن بچیوں کی شادی کے حوالے سے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر فقہی اور قانونی زاویوں سمیت اس کے متعدد اخلاقی وسماجی پہلوؤں پر اظہار رائے کا سلسلہ جاری ہے۔ اس مسئلہ کا اہم اور مقصودی قضیہ جس کے بارے میں شبہات اور اشکالات کی بھرمار ہے، اس کا تعلق ”عمرِ نکاح کے تعین“ سے ہے۔ متعدد مغربی، سماجی وسیاسی حلقوں میں اسلامی روایت میں موجود نابالغہ بچیوں کے جواز نکاح کو تنقید کا نشانہ بنا کر اسلامی قانون کے مکمل ڈھانچے کو ناقص قرار دینے کی روش جاری ہے، اس صورتحال نے بعض مسلم ممالک کو اس بات پر ابھارا ہے کہ وہ شخصی احوال کے قوانین میں ایک ایسے قانون کا اضافہ کریں جو ازدواجی زندگی کے اس مرحلے کو تنگ بنادے اور اس کو ایک محدود دائرے میں منحصر کردے، اس طور پر کہ مردوں، عورتوں کی شادی کیلئے ایک متعین عمر مقرر کر دی جائے نیز شرعی ججز کو بھی اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ زوجیت کے کسی بھی ایسے دعوی کی سماعت نہ کریں جس میں زوجین میں سے کسی ایک کی بھی عمر اس حد سے کم ہو۔ شادی اور نکاح کی عمر متعین کرنے سے مراد یہ ہے کہ مردوں، عورتوں کی ازدواجی عمر کی کم از کم حد اس بنیاد پر مقرر کر دی جائے کہ شرعی ججز اور اولیاء کو شادی کا معاملہ اور فیصلہ کرنے میں اس طے شدہ حد سے کم کی طرف تجاوز کرنے کی اجازت نہ ہو۔

اس ضمن میں یہ بحث دو طرح کے زاویہ ہائے نگاہ کے گرد گھومتی دکھائی دیتی ہے، بعض حلقے نابالغہ بچیوں کے نکاح کے جواز کی تائید کرتے ہیں جبکہ دیگر اس کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں۔ پیش نظر مقالہ میں اولا اس بحث کو سمیٹا جائے گا کہ نکاح کے لیے خاص عمر متعین کرنے کے شرعی حکم یا جواز کی نوعیت اور دائرہ کار کیا ہے؟ بعد ازاں دوسری بحث میں اہلیتِ نکاح کے معیارات کا ذکر کیا جائیگا جبکہ آخری بحث میں قرآن وحدیث اور آثار کی روشنی میں نکاح کو متعین عمر کے ساتھ مقید کرنے کی حیثیت واضح کی جائیگی۔

چاروں فقہی مذاہب نے نابالغوں کے نکاح کو جائز ومباح قرار دیا ہے، فقہاء نے قرآنی نصوص سے استنباط کر کے دلائل وشواہد دیئے ہیں نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین کے عہد میں ہونے والے اس طرح کے نکاحوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس کے جواز کو ثابت کیا ہے۔[1]

عقلی طور پر بھی اس تعامل میں بہت ساری مصلحتیں پوشیدہ ہیں مثلاً اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کے مراہق یعنی قریب البلوغ ہونے کے وقت عقدِ نکاح کی وجہ سے ممکنہ غلطیوں سے بچاؤ کی صورت ہے جس سے شرمگاہوں اور نسب کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس متفقہ مسئلہ پر بھی قدماء میں سے ابن شبرمہ نے اس طرح کے نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ مصطفی سباعی نے اپنی تالیف میں اس حوالے سے تفصیلات

ذکر کی ہیں۔[2] متجددین میں سے غلام احمد پرویز نے اس کے عدمِ جواز کی علت اس طرح بیان کی ہے کہ نکاح دراصل ایک عقد ہے جس میں متعاقدین کا عاقل اور بالغ ہونا شرط ہے لہٰذا یہ نکاح درست نہ ہوگا اگر ان دو شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی۔[3] پھر چونکہ بالغ ہونا ہر شخص کی طبیعت کی حدت اور برودت پر منحصر ہوتا ہے اسی طرح علاقے کی فضا اور ماحول بھی اس مدت کی تعیین میں اثر انداز ہوتے ہیں اسلئے ہندوستانی مسلمانوں میں اس قضیہ اور مشکل کے حل کیلئے سب سے پہلے مغل بادشاہ اکبر نے لڑکے کیلئے 16 برس اور لڑکی کیلئے 13 برس کی تحدید کر دی۔[4]

بعد ازاں 23 ستمبر 1929ء میں دہلی سینٹرل اسمبلی کے ممبر مسٹر ہربلاس ساردا نے ایک قانونی مسودہ حکومت کو پیش کیا۔ Janaki Nair نے اس بل کے حوالے سے تفصیلات ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ یہ 1927ء کے کم و بیش کا واقعہ ہے جب لڑکے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی عمر میں شدید اختلاف سامنے آیا اور اس حوالے سے 14 اور 18 سال بالترتیب لڑکی اور لڑکے کی بلوغت کی قانونی عمر قرار دینے کی کوششیں جاری تھیں کہ اس دوران قانون ساز اسمبلی میں Har Bilas Sarda (ہاربلاس ساردا) نے اس سے آگے بڑھتے ہوئے ایک بل پیش کر دیا جسکا بنیادی مقصد بچپن کے نکاح کو غیر قانونی عمل قرار دینا تھا۔

ساردا بل کو Hindu Child Marriage Act میں ضم کر کے سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کیا گیا، جس نے اس کا نام Child Marriage Restraint Act (قانون ممانعت نکاح بچگان) رکھ دیا، تاکہ اس ایکٹ کا طلاق نہ صرف ھندوؤں بلکہ تمام اقوام ہند اور مسلمانوں پر بھی ہو، اس بل کو تفصیلی رپورٹ کے ساتھ 1929ء میں اسمبلی کو بھیجا گیا۔[5]

'ساردا بل' کے خلاف علماء برصغیر کا ردعمل:

ساردا بل کی رو سے 18 سال سے کم عمر کی لڑکی اور 21 سال سے کم عمر کا لڑکا قانوناً شادی نہیں کر سکتا تھا اور اس قانون کو توڑنے کے جرم میں دولہا دلہن دونوں کے متولیوں کو ۲، ۲ ماہ قید بامشقت کی سزا اور ایک ایک ہزار روپیہ جرمانے کے طور پر تجویز کیا گیا۔ 28 ستمبر 1929ء کو یہ بل پاس ہوا اور یکم اپریل 1930ء سے اس پر عملدرآمد ہونا طے ہوا۔

اس بل کے خلاف احتجاجی جلسے، تجاویز اور ریزولیشن پاس کئے گئے اور پورے ملک میں اس قانون کو غیر پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا گیا۔ قانون ساز آمروں اور جابروں کیلئے مزید نفرت اور حقارت دلوں میں پیدا ہوئی۔ ملک کی موئثر اور فعال دینی جماعتوں نے بھی اس قانون کی مخالفت کی اور حکومت کو مجبور کیا کہ وہ یہ قانون واپس لے۔ مولانا احمد سعید صاحب دہلوی (جمعیت علمائے ہند) اور مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری (مجلس احرارِ ہند) نے ہزاروں نابالغ اور چھوٹے بچوں کے نکاح پڑھا کر حکومتِ برطانیہ کے اس قانون کی دھجیاں اڑائیں۔[6] ہندوستان کی ایک موئثر اور طاقتور جماعت جمعیت علمائے ہند بھی اس سلسلہ میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لے کر حکومت پر دباؤ ڈال رہی تھی اور جگہ جگہ کمیٹیاں قائم کر کے احتجاجی جلسے اور جلوس کروا رہی تھی۔ جمعیت علمائے ہند کی جانب سے سہارنپور میں جو کمیٹی بنائی گئی اس کے صدر مولانا نور محمد صاحب مظاہری استاذ مظاہر علوم قرار پائے۔ مولانا کی صدارت میں ایک طویل جلوس نکالا گیا، جامع مسجد میں جلسہ ہوا، احتجاجی تجویز پاس ہو کر حکومت کو بھیجی گئی۔

اسی زمانہ میں الہ آباد کے ایک مشہور وکیل مسٹر تصدق حسین خان شیروانی بیرسٹر ممبر اسمبلی نے ساردا ایکٹ کی حمایت میں ایک

کتاب ’’صغر سنی کی شادی اور مسلمان‘‘ لکھ کر شائع کی۔ اس کا مقصد حکومتِ کافرہ کی اعانت اور امداد کرتے ہوئے یہ ثابت کرنا تھا کہ اسلام میں نابالغوں کی شادی جائز نہیں ہے۔ اس کے جواب میں مولانا نور محمد صاحب نے اس کتاب کی تردید کرتے ہوئے ’’تنویر البصائر فی تزویج الصغائر‘‘ تالیف فرمائی۔ مولانا کی یہ تالیف پہلی مرتبہ انجمن ہدایۃ الرشید سے شائع ہوئی۔ علمی طبقہ اور اخبارات نے اس کتاب کی پذیرائی کی یہ کتاب 76 صفحات پر مشتمل تھی۔[7]

معاصر عرب علماء وفقہاء کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ:

واضح رہے کہ جملہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کسی مصلحت کی خاطر مباحِ عام کو مقید کرنا جائز ہے، ایسے ہی ان سب کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ نکاح اپنی مشروعیت کے لحاظ سے ایک جائز اور امرِ مباح ہے، لیکن نکاح کے لیے خاص عمر کی تعیین اور تحدید کا حکم مختلف فیہ ہے ۔ معاصر عرب فقہاء میں بھی اس حوالے سے دو گروہ ہیں، ایک عمر نکاح میں تحدید کا قائل اور دوسرا عدم تعیین کا قائل ہے۔

پہلا موقف یہ ہے کہ نکاح کے لیے ایک خاص عمر کا تعین اور اس کو ایک مخصوص عمر کے ساتھ مقید کرنا جائز ہے، یہ کبار علماء فقہ کی ایک جماعت کا موقف ہے، جن میں فضیلۃ الشیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ[8]، شیخ علامہ عبد المحسن العبیکان[9]، فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر یوسف القرضاوی حفظہ اللہ تعالیٰ[10]، ڈاکٹر محمد نجیمی اور ڈاکٹر ناجی العربی جیسے حضرات شامل ہیں۔ جبکہ دوسرا مذہب یہ ہے کہ نکاح کے لیے ایک خاص عمر کی تعیین ناجائز ہے، یہ کئی مشاہیر علماء کرام کا مذہب ہے جن میں فضیلۃ الشیخ عبد العزیز بن باز، ڈاکٹر احمد عسال، ڈاکٹر مصطفی السباعی اور استاذ ڈاکٹر حسام الدین عفانہ وغیرہ شامل ہیں۔

معاصر فقہاء کی آراء میں اختلاف کے اسباب:

نکاح کی عمر کی تعیین کے جواز اور عدم جواز کے متعدد اسباب ہوسکتے ہیں، لیکن ان اسباب میں سے دو مرکزی اہمیت کے حامل ہیں:

1: در حقیقت ان علماء کا اختلاف ایک دوسرے بنیادی اور موقوف علیہ مسئلہ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ اولی الامر یعنی اصحابِ اقتدار مثلاً حاکم، قاضی، مفتی وغیرہ کسی مصلحت کے پیش نظر مباحِ عام کو مقید کرنے کی اہلیت اور طاقت رکھتے ہیں یا نہیں۔

2: ان علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے شادی کی تھی کیا آپ علیہ الصلوۃ السلام کی خصوصیت میں سے ہے یا آپ کا یہ عمل مبارک آپ کی اُمت کیلئے بھی مشروع اور جائز ہے۔

فقہاء کے دلائل اور ان کا مناقشہ:

1: جو علماء نکاح کی عمر متعین کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کا متدل کتاب و سنت، آثارِ صحابہ اور عقلی دلائل ہیں۔ ان کی سب سے اہم اور اولین دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۔[11]

ان علماء کا طرزِ استدلال اللہ تعالیٰ کے قول بَلَغُوا النِّكَاحَ سے ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ خاوند اور بیوی میں نکاح، اس کی ذمہ داریوں اور دیگر متعلقات سے سبکدوش ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور یہی موقف کئی مفسرین کا ہے، جیسا کہ ان مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ جس

طرح بلوغت طبعی علامات مثلاً احتلام و حیض وغیرہ سے ہو جاتی ہے اس طرح بالغ ہونے کا حکم عمر کی وجہ سے بھی لگ جاتا ہے، خواہ کوئی طبعی علامت ظاہر ہوتی ہو یا نہ ہو۔

2: دوسرا مستدل وہ حدیث ہے جس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ نبی دو جہاں علیہ السلام نے فرمایا:

لا تُنکح البکر حتی تستأذن ولا الثیب حتی تستأمر[12]

یعنی باکرہ لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لے لی جائے اور ثیبہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے مشورہ نہ کر لیا جائے۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ! باکرہ کی اجازت کیسے ہو گی؟ یعنی باکرہ کی اجازت دینے کی علامت کیا ہے ؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا (اذا سکتت) یعنی جب وہ خاموش ہو جائے۔[13]

مذکورہ حدیث سے طرز استدلال:

جو علماء تعین کے جواز کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ جس ناسمجھ بچی کی عمر پندرہ سال سے کم ہو اس کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ سمجھدار اور بالغ ہو جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لینا اور اس سے مشورہ کرنا ممکن ہو جائے اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا کہ جب تک اس بچی کی عمر پندرہ سال نہ ہو جائے۔

دوسری حدیث جو ان کی دلیل ہے، وہ ہے جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ[14]

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک محافظ اور نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک کو اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

مذکورہ حدیث سے طرز استدلال:

شریعت مطہرہ نے حاکم اور صاحب اقتدار کو ہر ایسا اقدام کرنے کی اجازت عنایت فرما رکھی ہے کہ جس میں اس کی رعایا کی حالت درست اور شاندار ہو اور ہر ایسا کام کرنے کی جو عمومی مصلحت کی نگہداشت کو یقینی بنانے والا ہو بشرطیکہ وہ کتاب و سنت کی کسی صریح نص کے خلاف نہ ہو لہٰذا ایسے حاکم اور صاحب اقتدار کے لیے نکاح کی ایک خاص عمر کی تعیین کا قانون جاری کرنا اور ناسمجھ چھوٹی بچیوں کی شادی کرنے کے عدم جواز کا فیصلہ کرنا جائز اور درست ہے کیونکہ اکثر و بیشتر اس میں کوئی خاطر خواہ مصلحت پیشِ نظر نہیں ہوتی اور حاکم کے لیے اس اختیار کا تعلق شرعی سیاست کے باب سے ہے اور رعایا پر حاکم کی سمع و اطاعت واجب اور ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔[15]

3: عمرِ نکاح کی تعیین کے جواز کا قول اختیار کرنے والوں نے مندرجہ ذیل دو آثار صحابہ رضی اللہ عنھم سے استدلال کیا ہے:

الف: جو شخص ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کی طلاق کو طلاق بتہ شمار

کیا اور اس کو حقیقتاً تین طلاق کا حکم دے دیا، باوجود یہ کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جو شخص ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا اس کو رجوع کرنے کا حق حاصل تھا اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے پہلے دو سالوں تک بھی اسی طرح رجوع کرنے کے جواز کا حکم رہا۔[16]

ب: قحط والے سال حالات کی تبدیلی اور اس سختی کا سامنا کرنے کے پیش نظر، جس میں لوگوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چور سے چوری کی حد ساقط کر دی تھی چنانچہ فرمایا (لایقطع فی عذق ولا فی عام سنۃ)[17]، یعنی کھجور یا انگور کے گچھے میں قطعِ ید نہ ہو گا اور نہ ہی قحط سالی کے دوران ہاتھ کاٹا جائے گا۔

مذکورہ آثار سے طرزِ استدلال:

مذکورہ دو اثروں میں سے ہر ایک اثر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حاکم مباحِ عام کو ایسی چیز کے ساتھ خاص اور مقید کر سکتا ہے کہ جس میں وہ مصلحت دیکھتا ہو اگرچہ شریعت میں اس کا اصل محمل پہلے سے موجود ہو لہٰذا ایسا قانون جاری کرنا کہ جس سے نکاح کے لیے ایک معین عمر کی حد بندی ہو جائے اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہو سکتا کہ یہ نابالغوں کے نکاح کو باطل اور حرام قرار دے دینے کا حکم اور فیصلہ ہے بلکہ یہ فیصلہ مفاسد کو ختم کرنے اور اس قسم کے شادی اور نکاح میں پائی جانے والی تنگی اور اس پر مرتب ہونے والے ضرر کو دور کرنے کے قبیل سے ہے، الغرض اور بھی بہت ساری ایسی مصلحتیں یقیناً ہیں جن کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

4: جو حضرات نکاح کی عمر متعین کرنے کے جواز کے قائل ہیں انہوں نے متعدد وجوہ سے دلائل عقلیہ سے بھی استدلال کیا ہے، جو ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں:

الف: یہ بات اپنی جگہ پر یقیناً صحیح ہے کہ شریعت اسلامیہ مفاسد کو ختم کرنے اور مصالح کو حاصل کرنے کی خاطر وجود میں آئی[18] اور بے شک نکاح کی عمر متعین کرنے میں خاوند اور بیوی کی مصلحت کا اکتساب کرنا ہے بایں طور کہ یہ دونوں اس عمر تک پہنچ جائیں جس میں یہ ازدواجی زندگی کے مقاصد' اھداف، اس کی ذمہ داریوں اور دیگر متعلقہ امور کو بخوبی سمجھ سکیں۔

ب: نیز شادی اور نکاح کی عمر متعین کرنے میں بچوں کو پہنچنے والے جسمانی، نفسیاتی، اجتماعی خطرات اور نقصانات سے بچانے اور محفوظ رکھنے کا پہلو بھی موجود ہے اور ان سب مہلکات سے بچوں کی حفاظ ان کے بنیادی حقوق ہیں۔ اسی طرح شادی میں جلد بازی کرنے میں وسعت سے زیادہ اس کے کندھوں میں ذمہ داری ڈالنا ہے جبکہ تعین عمر کی صورت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ ایک شرعی ضابطے پر بھی عمل درآمد ہو جاتا ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے (لاضرر ولاضرار)[19] نتیجہ یہ نکلا کہ نکاح کے لیے ایک مخصوص عمر متعین کرنا جائز ہے اور یہ رفعِ فساد و دفعِ مضرت کے قبیل سے ہے۔

ج: دراصل شریعت اسلامیہ میں نکاح کی کوئی خاص عمر متعین نہیں کی گئی نابالغہ بچوں اور بچیوں کی شادی درحقیقت جائز اور مشروع ہے لیکن ایک شرعی ضابطہ ہے کہ بقدرِ ضرورت حاجت کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ عام ازیں کہ وہ خاص قسم کی ضرورت ہو' اس کا تعلق عمومی سطح سے ہو، ہر دو صورت اس کو بقدر حاجت پورا کیا جا سکتا ہے۔ اسی قاعدے کے بنیاد پر صاحب اقتدار شخص کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ ضرورت کی وجہ

سے مباح عام کو مقید کر سکتا ہے۔ اور نکاح کی عمر متعین کرنا یہ بھی ان امور میں سے ہے جن کا مباح ہونا نص سے ثابت ہے اس لیے کہ اس میں ایسی ضرورت یا حاجتِ عامہ پائی جاتی ہے جو اس کو متعین کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

مذہب ثانی کے دلائل:

نکاح کی عمر متعین کرنے کی مخالفت کرنے والے اصحاب مذہب نے بھی کتاب و سنت اور عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے۔

کتاب اللہ سے استدلال:

پہلی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَيَسۡتَفۡتُونَكَ فِي ٱلنِّسَآءِ قُلِ ٱللَّهُ يُفۡتِيكُمۡ فِيهِنَّ وَمَا يُتۡلَىٰ عَلَيۡكُمۡ فِي ٱلۡكِتَٰبِ فِي يَتَٰمَى ٱلنِّسَآءِ ٱلَّٰتِي لَا تُؤۡتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرۡغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ۔[20]

اس آیت کریمہ سے طرزِ استدلال اس طرح ہے کہ بلا کسی عمر کے تعین کے نکاح کی ترغیب دی ہے اور اس پر ابھارا ہے بایں طور کہ اس آیت نے یتیم بچی کی شادی اور اس کا نکاح کرنے کو جائز بتایا، واضح رہے کہ یتیم وہ ہوتی ہے جو ابھی تک بلوغت کی عمر کو نہ پہنچی ہو۔

دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

أَمۡ لَهُمۡ شُرَكَٰٓؤُاْ شَرَعُواْ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمۡ يَأۡذَنۢ بِهِ ٱللَّهُۚ۔[21]

طرز استدلال اس آیت کریمہ سے اس بات پر کیا گیا ہے کہ شریعت نے نکاح کی عمر کی کوئی حد مقرر نہیں کی اور نہ ہی اس بارے میں نص شرعی وارد ہوئی ہے اور نکاح کے لیے ایک خاص عمر کی حد بندی کر دینے کا قانون بے شک نصوص شرعیہ کے خلاف ہے۔ اور اس میں کتاب اللہ سے ثابت ہونے والی نابالغ بچوں اور بچیوں کے نکاح کی اباحت کو تبدیل کرنا لازم آتا ہے۔

سنت نبویہ سے استدلال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے والی حدیث جس میں یہ ہے:

ان النبی صلی الله علیه وسلم تزوجها و هی بنت ست سنین و أدخلت علیه وهی بنت تسع و مکثت عنده تسعا[22]

ترجمہ: بے شک حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور اس وقت آپؓ 6 سال اور جب رخصتی ہوئی تو 9 سال کی تھیں اور 9 سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت باسعادت میں رہیں۔

مذکورہ حدیث کے الفاظ صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتے ہیں جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپؓ کی عمر اس وقت تک 15 برس کو نہیں پہنچی تھی اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ چھوٹی ناسمجھ بچیوں کی بلا کسی عمر کی تعیین کے شادی کرنا جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک آپ کی امت کیلئے تشریعی حیثیت رکھتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح صحیح مسلم میں فرمایا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں نہ ہی عمر کی کوئی تحدید ہے اور نہ ہی اس عورت کو منع کا حکم ہے جو 9 سال سے پہلے نکاح کی طاقت رکھتی ہو اور اسی طرح نہ ہی اس عورت کو اجازت کا حکم ہے کہ جس کی عمر نو برس کی ہو

لیکن وہ نکاح کا تحمل نہ کر سکتی ہو۔

اسی ضمن میں ایک اور مثال بھی دی جاتی ہے، جس کے مطابق حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے اسی دن نکاح کر لیا تھا، جس دن وہ پیدا ہوئی تھیں۔[23] اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچازاد بہن امامہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہما کا نکاح بچپن ہی میں عمر بن ابی سلمہ سے کیا تھا۔[24]

راقم کے نزدیک اس مذہب کے دلائل اور ان کی یہ ساری گفتگو خارج از بحث ہے اس لیے کہ حالات تبدیل ہو چکے ہیں اور حاکم کو مباح کی تقیید کا حق حاصل ہے اور یہ استحقاق اس بات پر مبنی ہے کہ وہ حاکم بعض آباء کے تکلف 'فسادِ زمانہ اور حالات وواقعات کی تبدیلی کے پیش نظر کسی ایسی مصلحت کا فیصلہ کرے جو مفید عام ہو جیسے کہ حاکم کی اطاعت کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اگرچہ وہ اپنے کردار و عمل سے کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حاکم کے لیے فرض ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے سزاؤں کا تعین کرے جو اس کے جاری کردہ قوانین وضوابط کی خلاف ورزی کریں۔

دوسری وہ روایت ہے جس کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (من احدث في امرنا هذا ماليس منه فهورد)[25] یعنی جس شخص نے ہمارے اس دین کے معاملے میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو دین میں سے نہیں تھی وہ مردود ہو گی۔ علماء نے مذکور حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں یقیناً ایسی کوئی نص شرعی موجود نہیں ہے جو نکاح کے لیے ایک معین عمر کی تحدید پر دلالت کرے بلکہ جو نص وارد ہے وہ تو بچی کی جلد شادی کرنے کے بارے میں ہے اور یہاں متعدد نصوص شرعیہ ایسی بھی موجود ہیں جو اس کی مزید تاکید کرتی ہیں اور اگر کوئی ایسا قانون بنایا جائے جو نکاح کی عمر کی تعیین اور حدبندی کر دے تو اس کا شمار امور محدثہ میں یعنی بدعات میں سے ہو گا جو کہ شریعت کے خلاف ہیں۔

دلیل عقلی:

نکاح کو ایک معین عمر کے ساتھ مقید کر دینا یہ ایک ایسا امر ہے جو شرعاً وعقلاً کسی طرح بھی درست نہیں' اس لیے کہ ایک لڑکی کا سن بلوغت دوسری سے کسی قدر مختلف ہوتا ہے اور یہ بات جس ماحول' معاشرہ میں وہ رہ رہی ہوتی ہے اس کے حالات کے تغیر و تبدل کے تابع ہوتی ہے یہی اس کا لازماً نتیجہ نکلتا ہے کہ نکاح کے لیے ایک خاص عمر کا تعین اور حدبندی یہ ایک ایسا امر ہے جو ضبط سے باہر ہے جس کا کوئی خاص محل نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

دونوں موقفوں میں سے ہر ایک کے دلائل پیش کرنے کے بعد راقم کی رائے یہ ہے کہ پہلا مذہب راجح ہے یعنی نکاح کے لیے ایک خاص عمر کی تعیین اور حدبندی کے جواز والا مذہب راجح اور اولیٰ ہے، مگر ساتھ ساتھ اس بات کا لحاظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ نکاح کے لیے عمر کی تعیین ایک شہر اور ملک کی دوسرے سے مختلف ہو گی۔ اس بناء پر کہ مختلف علاقوں کی بچیوں کے سنِ بلوغت میں کافی اختلاف ہوتا ہے۔ نکاح کی عمر متعین کرنے میں یقیناً کئی طرح کے فوائد ہیں مثلاً بچوں کے حقوق کی رعایت، ناسمجھ بچیوں کی شادی پر مرتب ہونے والے مفاسد کا قلع قمع' مصلحتِ عامہ کا لحاظ وغیر ذلک اور اس میں دنیاوی مفادات کی خاطر بچیوں کی تجارت کا سدباب بھی ہو جاتا ہے۔

اہلیت نکاح کے شرعی معیارات:

اب رہی یہ بحث کہ نکاح کا اہل ہونے کے معیارات کیا ہیں؟ اس ضمن میں واضح رہے کہ اس کے دو اساسی معیارات ہیں، جن کا ذکر بحث کی تکمیل کے لئے ضروری ہے، پہلا معیار عمر سے بلوغت کا ہے، جبکہ دوسرا معیار طبعی علامات سے بلوغت کے تعین کا ہے۔ عقدِ نکاح کا شمار ان پاکیزہ عقود میں ہوتا ہے جن کو اسلام نے بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی کتاب عزیز میں میثاق غلیظ کا نام عنایت فرمایا جس کا معنی ہے پختہ عہد، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۔[26]

ترجمہ: اور تم اس کو کیسے لیتے ہو حالانکہ تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے اور وہ عورتیں تم سے ایک گاڑھا اقرار لے چکی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ نکاح کی مکمل اہلیت رکھتا ہو تاکہ ان میں سے ہر ایک نکاح کے توابع اور اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے پر قادر ہو سکے اور اس پختہ عہد کے منہدم اور ضائع ہونے سے اس کی حفاظت کر سکے۔

نکاح کا اہل ہونے کے معیارات کے متعلق گفتگو کا موضوع بہت وسیع ہے اس لیے کہ اس کے بہت سارے پہلو اور مقصودی معیارات ہیں، اسی وجہ سے مجھے مناسب معلوم ہوا کہ میں اس موضوع کو نکاح کی عمر متعین کرنے کے دو ایسے معیاروں کے متعلق گفتگو کرنے پر منحصر کر دوں جو بنیادی اور اساسی ہیں اور وہ ہیں عمر کے ذریعے بلوغت کا معیار اور طبعی علامات کے ذریعے بلوغت کا معیار کیونکہ بلوغت ایک ایسا فطری ہے جو عقلی اور جسمانی قوی کے نشو ونما اور ان کے کامل ہونے پر دلالت کرتا ہے جس سے انسان نکاح اور اس کے متعلقات کا عمل کرنے کے لیے بھرپور تیار اور قادر ہو جاتا ہے۔ جس طرح بلوغت کی وجہ سے انسان فکری اور اجتماعی شعور کے درجے تک پہنچ جاتا ہے اسی طرح یہی بلوغت چند اور اہم امور کے لیے مدد و معاون بن جاتی ہے، مثلاً خاندان سازی اور اس کے امور کو سرانجام دینا' خاندان کی کفالتوں اور ذمہ داریوں کو احسن انداز سے نبھانا وغیرہ داخل ہے۔

بلوغت کا پہلا معیار: عمر

بلوغت لغت میں بَلَغَ کا مصدر ہے جس کا معنی ہے وصل الیہ و انتھی تو اس طرح بلوغ کا معنی ہوا الوصول والانتھاء یعنی پہنچنا اسی سے ہے[27] اور عربی زبان میں بَلَغَ الغلامَ اس وقت کہا جاتا ہے جب بچہ سمجھدار ہو جائے اسی طرح بلغت الجاریۃ اس وقت بولا جاتا ہے جب بچی سمجھدار ہو جائے۔ بچہ اور بچی کے لیے ایک ہی لفظ یعنی بلغ بغیر ھاء[28] کے بولا جاتا ہے یوں کہا جاتا ہے غلام بالغ' بالغ بچہ' جاریۃ بالغ' بالغہ بچی، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الام میں ''کتاب النکاح'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے 'لغۃ عرب میں بھی یہی زیادہ فصیح ہے جس طرح عربوں کے قول امرأۃ حائض میں افصح یہی ہے کہ بغیر تائے تانیث کے استعمال کیا جائے۔[29]

اصطلاح میں فقہاء کرام نے بلوغ کی متعدد تعریفیں فرمائی ہیں جن سب کا مدار اور اصل ایک ہی معنی ہے اور وہ یہ ہے کہ بچہ عمر کے اس مرحلے تک پہنچ جائے کہ جس میں اس کو صغیر نہ کہا جا سکتا ہو اس حیثیت سے کہ وہ صغر سنی کے مرحلے سے نکل کر تکلیف کے مرحلے میں

داخل ہو جائے فقہاء حنفیہ نے بلوغ کی تعریف یہ کی ہے کہ 'انتھاحد الصغر' یعنی حد صغر کا ختم ہو جانا بلوغت کہلاتا ہے[30]۔ لیکن مالکی فقہاء نے اس کی یہ تعریف کی ہے کہ بلوغت ایسی قوت ہے کہ جب وہ بچے میں پیدا ہو جائے تو وہ اس کو طفولیت سے نکال کر رجولیت میں پہنچا دیتی ہے۔[31]

حنابلہ نے اس کی تعریف میں یہ کہا کہ بلوغت سے مراد بندے کا احکام شرعیہ کا مکلف بننے کی حد کو پہنچنا ہے،[32] اور یہ بات لڑکی اور لڑکے دونوں میں برابر ہے اور اس طور پر کہ بالغ ہوتے ہی ان کے اعمال نامے کے دفتر پر نیکیوں اور بدیوں کا قلم چلنا شروع ہو جاتا ہے ان میں سے ہر ایک ان عبادات اور احکام شرعیہ کا پابند ہو جاتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے ان کو مکلف بنا رکھا ہے۔ اس طرح ان کے جملہ تصرفات مثلاً بیع و شراء، نکاح و طلاق، ھبہ، وصیت وغیرہ پر صحت کا حکم لگ جاتا ہے اور بلوغت کی وہ علامات جس میں مذکر و مونث دونوں کا اشتراک ہے ان میں سے ایک معتبر علامت عمر ہے، یہ دوسری بات ہے کہ عمر سے بلوغت کا حکم اسی صورت میں لگتا ہے جبکہ بلوغت کی کوئی طبعی علامت ظاہر نہ ہو چکی ہو۔[33]

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عمر سے بلوغت کا اعتبار کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی دوسری طبعی علامت سے بلوغت کا اعتبار کیا جائے۔ لیکن اس عمر کی تعیین اور حدبندی میں اختلاف ہے کہ جس سے مذکر و مونث پر بالغ ہونے کا حکم لگایا جائے، اور اس میں تین مذاہب ہیں:

- پہلا مذہب: حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ مرد کے لیے بلوغت کی عمر اٹھارہ سال اور عورت کے لیے سترہ سال ہے۔[34]
- دوسرا مذہب: مالکیہ کے مشہور مذہب کے مطابق مرد و عورت دونوں کے لئے بلوغت کی عمر برابر ہے اور پورے اٹھارہ سال ہے[35]۔ اور دوسرے قول کے مطابق سولہ سال ہے۔[36]
- تیسرا مذہب: شوافع اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مرد یا عورت ان میں سے ہر ایک کے لیے بلوغت کی عمر پندرہ سال ہے'۔[37] احناف میں سے حضرت ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔[38] اور یہی ایک روایت حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔[39] اور حضرت ابن وھب مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔[40]

مذاہب اربعہ کے دلائل:

احناف کے دلائل: حنفیہ نے اپنے مذہب جس میں قرار دیا کہ مذکر کے لیے بالغ ہونے کی عمر اٹھارہ سال اور مونث کے لیے سترہ سال ہے، کتاب اللہ سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلاَ تَقْرَبُواْ مَالَ الْيَتِيمِ إِلاَّ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ۔[41]

احناف کا موقف یہ ہے کہ یہاں بلوغ سے مقصود تمام اور کمال ہے اور یہ کمال اس عمر میں پیدا ہوتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھا سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قول حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ کی تفسیر کے بارے میں فرمایا ہے کہ اشدِ صبی اٹھارا سال کی عمر ہے۔[42] اسی طرح حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے آیت مبارکہ کی تفسیر کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ای حتی یبلغ ثمانی عشرۃ سنۃ۔ یعنی یہاں تک کہ بچہ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ جائے۔[43]

فقہاء مالکیہ کے دلائل: مالکیہ نے اپنے مذہب کہ مرد و عورت دونوں کے لیے بلوغت کی عمر پورے اٹھارہ سال ہے اس کو ثابت کرنے کے لیے

اسی مذکورہ آیت مبارکہ سے استدلال کیا جو کہ احناف کا متدل ہے۔

مذہب ثالث کے دلائل: تیسرے مذہب کے قائلین نے اپنے اس مذہب پر کہ مذکر و مونث دونوں کیلئے بلوغت کی عمر پندرہ سال ہے احادیث اور عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے۔ان کی پہلی دلیل وہ روایت ہے جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما نقل فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے موقع پر ان کی عمر14 سال تھی پس آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے اجازت مرحمت نہیں فرمائی پھر جنگ خندق کے موقع پر، جبکہ اس وقت میری عمر15 سال ہو چکی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے کر سرفراز فرمایا۔[44] نافع کہتے ہیں پھر میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس آیا اس وقت وہ خلیفۂ وقت تھے میں نے ان کو یہ حدیث بیان کی تو وہ فرمانے لگے کہ چھوٹے اور بڑے کے درمیان یہی عمر حد فاصل ہے اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عمال کو لکھ بھیجا کہ وہ بالغوں کیلئے پندرہ سال کی عمر مقرر کریں۔[45] دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مجھے پیش کیا گیا اور اس وقت میں 14 سال کا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کم عمر قرار دیا۔[46] تیسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بالغ نہ سمجھا۔[47]

مذکورہ حدیث نے یہ بیان کر دیا کہ پندرہ سال کی عمر کو پہنچنا یہی بچپن اور مکلف ہونے کے دو مرحلوں کے درمیان حد فاصل ہے لہٰذا یہی عمر بلوغت کے لیے معتبر ہے اور اس میں اس بات کی بھی دلیل موجود کہ جو شخص پندرہ سال مکمل کر لے وہ بالغ اور مکلف بن جائے گا، اس کے لیے بالغ مردوں کے احکام ہوں گے اور جو اس سے کم عمر کا ہو اس پر بالغ مردوں کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

ان حضرات کا دوسرا متدل حدیثِ انس رضی اللہ عنہ ہے جس کے مطابق جو بچہ پندرہ سال مکمل کر لے اس کی نیکیاں اور برائیاں لکھی جائیں گی اور اس پر حدود قائم کی جائیں گی۔[48] ان کے بقول یہ حدیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ بچہ جب پندرہ سال کا ہو جائے تو حقوق واجبہ کی ادائیگی کا اہل اور مکلف بن جاتا ہے۔[49]

دلیل عقلی:

اس حوالے سے علماء نے دلیل عقلی سے بھی اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مذکر و مونث سنِ بلوغت میں برابر ہوں گے یہاں مذکر و مونث کے بالغ ہونے کے درمیان یقینا کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لیے کہ عمر ایک ایسی معنوی چیز ہے جس سے بلوغت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ مذکر و مونث دونوں میں مشترک ہے لہٰذا یہ دونوں اس میں احتلام کی طرح برابر ہوں گے۔

ہر مذہب کے دلائل پیش کرنے کے بعد راقم کے نزدیک جو راجح مذہب ہے وہ شافعیہ اور ان کے موافقین کا ہے یعنی پندرہ سال ہی کی عمر ایسی ہے کہ جس سے لڑکی اور لڑکے کو بالغ شمار کیا جائے اور جیسا کہ ماقبل گزر چکا کہ عمر کا اعتبار اس وقت ہے جب کہ مذکر احتلام اور مونث حیض سے بالغ نہ ہو، اس ترجیح کے چند اسباب ہیں جو ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

1: اس لیے کہ یہ مذہب دلیل شرعی کے زیادہ قریب ہے اور اس پر ہماری زندگی میں پیش آمدہ واقعات و مشاہدات شاعد عدل ہیں کہ جونہی مذکر یا مونث اس عمر یا اس کے قریب قریب پہنچتا ہے تو اس پر جسمانی تغیرات جیسے بلوغت کی علامت اور مقدمات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

2: اس سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بڑی واضح الدلالت اور نص صریح ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

بلوغت کی عمر پندرہ سال متعین فرمائی اور اسی چیز نے آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد حضرات صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیھم اجمعین کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اسی عمر کو بچپن اور مکلف ہونے کے زمانے کے درمیان حد فاصل بنائیں۔

بلوغت کا دوسرا معیار: طبعی علامات کا ظہور

جن طبعی علامات یا نشانیوں سے بڑے اور چھوٹے کے درمیان تمیز اور فرق ہو جاتا ہے ان سے بھی بلوغت ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا جس شخص کے اندر وہ علامات یا ان میں سے کوئی ایک پائی جائے تو وہ حدِ صغر سے نکل کر بلوغت کے مرحلے تک پہنچ جائے گا۔ ان علامات کے متعلق اختصار کے ساتھ آئندہ سطور میں گذارشات پیش کی جاتی ہیں، ساتھ ہی ان علامات کے ثبوت پر شرعی دلائل کا بیان ایسے اسلوب میں بیان کیا جائیگا کہ جس سے مردوں یا عورتوں کا ان علامات کے ذریعے بالغ ہونے پر دلالت اور رہنمائی حاصل ہو جائے۔

واضح رہے کہ یہ علامات دو طرح کی ہیں یا ان کی دو قسمیں ہیں: اول ایسی علامات جن کا تعلق مردوں و عورتوں دونوں سے برابر طور پر ہے دوسری وہ علامات جو مردوں کے علاوہ صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ وہ علامات جن کا تعلق مردوں و عورتوں دونوں کے ساتھ ہے اسکی پہلی علامت احتلام ہے، احتلام کی وجہ سے چھوٹا بچہ بالغ ہو جاتا ہے جس کیوجہ سے وہ شرعی احکام کا مکلف ہو جاتا ہے اور اس کیلئے نیکیوں و بدیوں کا قلم چلنا شروع ہو جاتا ہے۔ احتلام کے ذریعے بلوغت کا حکم کتاب و سنت اور اجماع تینوں سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ [50]

یہ آیت کریمہ صاف دلالت کر رہی ہے کہ بچوں کی بلوغت احتلام کے ذریعے ہوتی ہے، چنانچہ قرآن کریم نے حد تکلیف کا مدار بچے کا حلم کو پہنچ جانا مقرر کیا، اور حلم تک پہنچ جانے سے مراد یہ ہے کہ وہ حد بلوغت کو پہنچ جائے یعنی احکام شرعیہ کا مکلف ہونے کی حد کو پہنچ جائے۔

دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس کو سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی کہ:

رفع القلم عن ثلاثۃ: عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل۔[51]

یعنی تین شخص مرفوع القلم ہیں: سونے والا، یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور پاگل یہاں تک کہ عقلمند ہو جائے۔ یہ حدیث صراحتًا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بلوغت احتلام سے متحقق ہو جاتی ہے اور بچہ بالغ ہونے تک احکام شرعیہ کا مکلف نہیں بنتا اور اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے اور وہ بھی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے نقل فرمائی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے 'عن الصبی حتی یبلغ'[52] کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں، یعنی تین آدمی مرفوع القلم ہیں، بچہ بالغ ہونے تک' سونے والا بیدار ہونے تک، اور پاگل شخص تندرست ہونے تک۔ اس روایت میں بالغ ہونے کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کا قول مبارک (حتی یبلغ) مطلق ہے اور احتلام جو پہلی حدیث میں مذکور ہے، وہ مقید ہے لہٰذا (حتی یبلغ) جو دوسری حدیث میں مذکور ہو اسی پر محمول ہے، اس لیے کہ دونوں لفظ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں لہٰذا احتلام یقینا بلوغت کی علامت ٹھہرے گی۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنھا نے نبی کریم ﷺ سے ایک روایت فرمائی کہ بے شک آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

علی کل محتلم رواح الجمعۃ و علی کل من راح الی الجمعۃ الغسل۔[53]

یعنی ہر محتلم یعنی بالغ پر جمعہ میں حاضر ہونا ضروری ہے اور ہر اس شخص پر غسل کرنا ضروری ہے جو جمعہ کو جائے۔اس حدیث سے طرزِ استدلال اسطرح ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک علی کل محتلم سے یقینامراد بالغ شخص ہے اور احتلام کا ذکر تو اس لیے فرمایا کہ عام طور پر بلوغت اسی سے ہوتی ہے اور بالغ کے ساتھ اس کی تفسیر مجازاً ہے کیونکہ احتلام، بلوغ کو مستلزم ہے اور حقیقت پر محمول کرنے سے منع کا قرینہ یہ ہے کہ احتلام کے ساتھ جب انزال بھی ہو جائے تو یہ موجب غسل ہوتا ہے خواہ جمعہ کا دن ہو یا نہ ہو۔جب جمعہ بچوں پر واجب ہی نہیں تو غسل جمعہ کے حکم کے مخاطب ظاہر بات ہے عاقل اور بالغ ہی ہوں گے۔[54]

پھر احتلام جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا بلوغت کی ایسی علامت ہے جو مذکرہ ومونث کے درمیان مشترک ہے، اسی لئے فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت احتلام میں مرد کے مساوی ہے اور اس پر مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے:

- ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام سلیم رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں، عرض کیا یارسول اللہ ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ حق بات سے حیا نہیں فرماتے، جس وقت عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر غسل واجب ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا(نعم اذا رأت الماء) ہاں جب کہ وہ پانی کو دیکھ لے۔[55] دوسری روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا چہرہ ڈھانپا ہوا تھا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ تو آپ علیہ الصلوۃ و السلام نے فرمایا: ہاں تیرا دائیں ہاتھ خاک آلود ہو[56]۔۔۔ پھر کیوں اس عورت کا بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے۔[57]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ مرد اپنی خواب میں دیکھتا ہے عورت بھی وہ کچھ دیکھتی ہے اور مراد اس سے یہ کہ جب پانی کا انزال ہو جائے جیسا کہ حدیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ بعض عورتوں کو احتلام ہوتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا لیکن ان میں اس کی صلاحیت ضرور ہوتی ہے اس طرح اس میں انزال کے وجہ عورت پر وجوبِ غسل کی دلیل بھی ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔

- دوسری حدیث وہ ہے جس کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا، فرماتی ہیں:

اذا احتلمت المراۃ فعلیھا ما علی امھاتھا من الستر[58]

جب لڑکی کو احتلام ہو تو اس پر وہ چیز واجب ہے جو اس کی ماؤں پر واجب ہوتی ہے یعنی پردہ جس طرح اس کی ماں وغیرہ پر واجب ہوتا ہے اسی طرح احتلام ہو جانے کے بعد اس پر بھی پردہ کرنا واجب ہے۔اس حدیث سے یہ پتہ چلا کہ احتلام عورت کے بالغ ہونے کی علامت ہے اس لیے اس کی وجہ سے وہ احکام شرعیہ کی مکلف بنجاتی ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ جب اس کو احتلام ہو جائے تو اس پر پردہ کرنا واجب ہے جیسا کہ جب حیض آجائے تو پردہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ قرآن وحدیث کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اپنے قول میں علماء کا اجماع نقل فرمایا ہے، چنانچہ لکھا ہے:

وقد اجمع العلماء علی ان الاحتلام فی الرجال و النساء یلزم بہ العبادات و الحدود و سائر الاحکام۔[59]

یعنی علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں میں احتلام کی وجہ سے عبادات حدود اور باقی سارے احکام لازم ہو جاتے ہیں۔

بلوغت کی دوسری علامت زیر ناف بالوں کا اگنا ہے، زیر ناف بالوں کا آجانا بھی بلوغت کی علامات میں سے ایک علامت ہے، اس پر مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔

پہلی حدیث وہ ہے جس کو حضرت عطیہ القرظی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ قریظہ کے دن ہمیں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا، جس شخص کے زیر ناف بال اگ آئے تھے اس کو قتل کر دیا گیا اور جس کے ابھی نہیں اگے تھے اس کا راستہ چھوڑ دیا گیا (یعنی آزاد کر دیا گیا) اور میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن کے ابھی تک زیر ناف بال نہیں اگے تھے، بس میرا راستہ بھی چھوڑ دیا گیا۔[60]

دوسری حدیث حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ پر حاکم بنایا گیا، پس انہوں نے بنو قریظہ کے جنگ جوؤں کو قتل کرنے اور ان کی اولاد کو قیدی بنانے کا حکم فرمایا پھر مراہق یعنی قریب البلوغ لڑکوں کے بازوؤں کو اٹھا کے دیکھا جاتا، ان میں سے جس کے زیر ناف بال اگے ہوتے اس کو قتل کر ایا جاتا اور جس کے ابھی تک نہ اگے ہوتے، اس کو قیدیوں میں بنا دیا جاتا، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو فرمایا: آپ نے اللہ تعالیٰ / بادشاہ حقیقی کے حکم کے مطابق فیصلہ فرمایا۔[61]

زیر ناف بالوں کا اگ آنا اس کو علامات بلوغت میں سے شمار کرنا یا بلوغت کی دلیل سمجھنا بھی فقہاء کے مابین مختلف فیہ ہے، اس ضمن میں مندرجہ ذیل تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: زیرِ ناف بالوں کا اگ آنا، علاماتِ بلوغت میں سے نہیں ہے[62]، نہ مسلمان کے حق میں اور نہ ہی کافر کے حق میں اور یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔[63] **دوسرا مذہب**: زیر ناف بالوں کا اگ آنا مطلقًا بلوغت کی علامت ہے مسلمان اور کافر دوں کے حق میں، یہ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔[64] **تیسرا مذہب**: زیر ناف بالوں کا اگ آنا کفار و مشرکین کے بچوں کے بالغ ہونے کی تو علامت ہے لیکن مسلمان بچے اس سے مستثنیٰ ہیں اور یہ حضرت امام شافعیؒ کا دوسرا قول ہے[65]

عورتوں کے ساتھ مخصوص علامات بلوغت: حیض

حیض کا عورت کی علامت بلوغت ہونے میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ بات سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے روایت کیا کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اس حال میں کہ ان پر کچھ باریک کپڑے تھے پس آپ ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا اور فرمایا اے اسما! عورت جب حیض کی عمر کو پہنچ جائے تو اس اور اس کے علاوہ عورت کا کوئی حصہ دکھائی دینا مناسب نہیں اور آپ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔[66]

نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ نے پردے کے واجب ہونے اور مردوں کا عورتوں کی طرف دیکھنے کو حرام قرار دینے کا حکم حیض کے ساتھ معلق فرمایا ہے اور ستر کے ڈھانپنے کو واجب قرار دینے کا مکلف بنانا ہے۔ لہٰذا یہ اس بات کی دلیل کہ حیض بلوغت کی علامت ہے کیونکہ مکلف بنانے کا تعلق اسی سے ہے اور اسی وجہ سے عورت بالغ اور مکلف بن جاتی ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے علما کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حیض عورتوں کے حق میں بلوغت ہے۔[67]

دوسری علامت: حاملہ ہونا

حاملہ ہونا بھی بلوغت پر دلیل اور اس کی علامت ہے اور یہ بات کتاب اللہ سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

يَخْرُجُ مِنۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ۔[68]

اللہ تعالیٰ نے عادت یہ جاری فرمار کھی ہے کہ بچے کی تخلیق مرد اور عورت کے پانی سے کی جاتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حمل بغیر انزالِ ماء نہیں ہو سکتا لہٰذا جب عورت کو حمل ٹھہر جائے تو یہ بھی عورت کے بالغ ہونے کی علامت ہے۔ مزید بر آں مالکی فقہاء نے بلوغت کے لیے چند اور علامات کو بھی معتبر مانا ہے۔ ناک کے بانسہ کا متفرق ہو جانا' آواز کا موٹا ہو جانا' بغلوں میں بدبودار ریح کا پیدا ہو جانا' داڑھی' مونچوں اور بغلوں کے بال اگ آنا' عورت کے پستانوں کا ابھر آنا یہ سب علامات بلوغت میں داخل ہیں اور فقہاء مالکیہ نے ان کو معتبر مانا ہے۔[69]

اس ضمن میں بعض حضرات صحابہ کرام علیھم الرضوان نے علاماتِ بلوغت میں قد لمبا ہونے کا بھی اعتبار کیا ہے، چنانچہ حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ سے ایک اثر مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس عمر بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ کے ایک خدمت گذار بچے کو لایا گیا جس نے چوری کر رکھی تھی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں حکم دیا کہ اس کے قد کی بالشت کے ذریعے پیائش کی جائے، چنانچہ اس کی بالشت سے پیائش کی گئی پس وہ چھ بالشت کا نکلا پھر انہوں نے اس بچے کا قطع ید کر دیا، اسی وقت حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق میں بنو عامر کے ایک ایسے بچے کے بارے میں کچھ لکھ کر بھیجا، جو نمیلۃ کے نام سے پکارا جاتا تھا، اس نے چوری کر رکھی تھی لیکن اس وقت وہ بچہ تھا ، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ لکھا کہ اس کی بالشت سے پیائش کرو، اگر اس کا قد چھ بالشت تک پہنچ جائے تو قطع ید کر دینا، چنانچہ انہوں نے اسی طرح پیائش کی لیکن وہ چھ بالشت سے چند پورے (انملۃ) کم تھا پس انہوں نے اس بچے کو چھوڑ دیا، پھر اہل عراق کے فساد کے بعد وہ نمیلۃ کے نام سے ہی موسوم ہو گیا۔[70]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جب بچہ پانچ بالشت کا ہو جائے اس سے اور اس کے لیے قصاص لیا جائے گا۔[71] ابو محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ یعنی حضرت عمر یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح ایسے بچے پر حد قائم کرنا ثابت ہے جو پانچ بالشت کا ہو اگرچہ بالغ نہ ہوا ہو۔[72] تاہم ماوردی نے مذکورہ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنھم کو ذکر کرنے کے بعد قد کی لمبائی کا بلوغت پر دلیل اور علامت کے حوالے سے غیر معتبر ہونے پر تبصرہ کیا اور کہا ہے کہ ممکن ہے ان حضراتِ صحابہ کرام علیھم الرضوان نے بچوں کیلئے تادیب اور ان کی سرزنش کے لئے استظہار کے طور پر کی ہو۔[73]

واضح رہے کہ ان تفصیلات کے مطالعہ کے بعد جو کچھ میرے فہم عاجز میں زیادہ قرین صواب ہے وہ یہ ہے کہ بلوغت کی علامات میں کوئی انضباط اور تعین نہیں ہے بلکہ حالات' مقامات اور زمانوں کے اختلاف سے یہ عادتیں بھی مختلف ہوتی ہیں اس لیے کہ سن بلوغت کے تغیر و تبدل پر آب و ہوا کے عوامل اور ماحول کی طبیعت کا بڑا اثر ہوتا ہے لہٰذا ٹھنڈے علاقوں کی نسبت گرم علاقوں میں بلوغت کا تحقق جلدی ہو جاتا ہے اور جن علاقوں کی آب و ہوا معتدل ہو تو وہاں بلوغت کا معاملہ ان دونوں کے درمیان درمیان ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں گرم علاقوں میں لڑکی اور لڑکا جلد بالغ ہو جاتے ہیں جیسا کہ جزیرۃ العرب کا علاقہ کہ اس میں نویں' دسویں سال میں بچی بالغ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بارھویں

تیرھویں سال کی عمر میں بچہ بالغ ہو جاتا ہے دوسری طرف جن علاقوں میں سخت سردی پڑتی ہے ان میں لڑکی اور لڑکے کی بلوغت کچھ سالوں تک مؤخر ہو جاتی ہے۔

عمر نکاح کی تحدید اور ممکنہ مثبت اثرات:

تیسری اہم بحث نکاح کو معین عمر کے ساتھ مقید کرنے پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لینا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہاں متعدد ایسے اثرات ہیں جو اس بات پر مرتب ہیں کہ نکاح کے لیے ایک خاص عمر کی تعین کا قانون جاری ہونا چاہیے، نکاح کے لیے تعین عمر کے ایجابی اثرات پر غور کیا جائے تو اس میں حقوق اطفال کے ضمن میں شرعی مصلحتوں کی رعایت کا اہتمام نظر آتا ہے، بچہ عام طور پر نکاح کے تقاضوں اور اس کی ذمہ داریوں کا صحیح ادراک نہیں کر سکتا اور نہ ہی بچے کے ہاں نکاح سے متعلقہ احکام شرعیہ کا تصور پایا جاتا ہے اور دوسری طرف اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ بچی ولادت کی مشقتوں کا تحمل کرنے پر قادر نہیں ہوتی، اسی طرح نجیب اور شریف اولاد ہونے کی صورت میں اس کا اپنے بچوں کی نگہداشت کا مسئلہ ہے اور جسمانی وعقلی اعضا اور قوای کے ضعف اور اس بچی کا صغیر السن ہونے کی وجہ سے اس راستے میں پیش آنے والے مسائل صحت بالخصوص نفسیاتی خطرات کا بھی سامنا ہو سکتا ہے، بسا اوقات تو یہ اسباب جان لیوا ثابت ہو جاتے ہیں اور کبھی ازدواجی زندگی میں ناکامی اور طلاق تک کی نوبت آجاتی ہے اور حال ہی میں کئی عرب ممالک میں اس طرح کے واقعات پیش آئے ہیں بایں طور کہ چھوٹی بچیوں کے نکاح نے معاشرے میں کئی خرابیاں جنم دیں مثلاً چھوٹی عمر میں کئی عورتوں کا مطلقہ ہو جانا' بچپن کی آزادی کی پامالی اور بے حرمتی پھر ازدواجی زندگی میں ناکامی وغیرہ۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ بچوں کے حقوق اور ان کی زندگی کو مختلف اطراف سے ہلاک کر دینے والی اشیاء سے ان کی مصلحتوں کی حفاظت اور رعایت کے سلسلے میں نکاح کے لیے عمر کو متعین کر دینے کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ پھر بچوں کی شادی کر دینے میں کوئی ایسی خاص مصلحت نہیں ہے جس سے خیر کی کوئی امید وابستہ ہو بلکہ اس میں ان کے لیے محض فساد اور ضرر ہے۔ اس لیے کہ بالغ ہونے کے بعد ہر بچی اور بچہ اپنے آپ کو ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور پاتا ہے کہ جس کو اختیار کرنے پر اس کی رائے کا کوئی عمل دخل نہ ہو اور کبھی طبیعت' مزاج اخلاق وغیرہ میں اس کے ساتھ اتفاق بھی نہیں ہو پاتا۔[74]

اسی طرح عورت کا ایک معین عمر میں نکاح ہونے کی صورت میں ایک اور مصلحت بھی معلوم ہوتی ہے کہ شادی کے جن لوازمات کا اس کو تحمل کرنا پڑتا ہے مثلاً گھر اور خاوند کی ذمہ داری' بچوں کی تربیت وغیرہ ان کو بہ طور خاص عمر مؤخر کر دیتی ہے، مزید برآں چھوٹی عمر میں حمل پر خطر برداشت کرنے کی صلاحیت تک تاخیر ہو جاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ تاخیر ایک محمود اور پسندیدہ امر ہے۔

حوالہ جات

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے: ابن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، باب نکاح الرجل ولده الصغار۔ 190/9 ؛ القشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح ،ج1،ص114

[2] السباعی، مصطفی حسن، المراۃ بین الفقه والقانون۔ ص16

[3] دیکھئے: غلام احمد پرویز، تبویب القرآن، لاہور: علمی پرنٹنگ، 1977ء، ج3، ص13

[4] عجاج نویهض، مع تعلیقات الامیر شکیب ارسلان، حاضر العالم الاسلامی، بیروت: دارالفکر، 1971ء، ج4، ص305

[5] Janaki Nair, Women and Law in Colonial India: A Social History, Zubaan, 1996, p80

[6] سید محمد شاہد سہارنپوری، علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات۔ ج1، ص229، سید محمد شاہد سہارنپوری نے اس دور کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی جانب سے بھی کھلے طور اس قانون کی مذمت اور اس کے خلاف جدوجہد کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں۔ جامعہ میں 27 نومبر 1929ء کی صبح کو ایک احتجاجی جلسے کا اہتمام کیا گیا جس میں ناظم مدرسہ حضرت مولانا الحاج عبداللطیف صاحب اور تمام اساتذہ نے باہمی طور پر اس کے خلاف احتجاجی قرارداد پاس کی اور حکومت کو خبردار کیا کہ یہ قانون دین وشریعت کے خلاف ہے اور اس سے اہل اسلام کے جذبات شدید طور پر متاثر ہوں گے۔ 29 نومبر کو پورے شہر سہارنپور میں عمومی ہڑتال رہی حتیٰ کہ شہر میں تانگے اور رکشے بھی نہیں چلے۔ اس ہڑتال کے احترام میں مدرسہ کے لئے آنے والے منی آرڈر بھی موصول نہیں کیے گئے۔ حضرت شیخ کے نام جتنے منی آرڈر آئے انہوں نے اپنے قلم مبارک سے یہ عبارت لکھ کر...... آج چونکہ ہڑتال ہے، اس لئے وصول نہیں کئے جائیں گے...... ان کو واپس کر دیئے۔ بعد ازاں بل کے خلاف عمومی احتجاج ہوا جس کی صدارت ناظم مدرسہ مولانا عبداللطیف صاحب نے فرمائی اور مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی استاذ مدرسہ نے تفصیلی تقریر کے ذریعے علمی قوت اور قانونی دلائل کے ساتھ اس بل کے تارو پود بکھیرے۔ ملخصاً از حوالہ مذکورہ۔ ج1، ص229-230

[7] ایضاً...... کتاب مذکور میں صغر سنی کی شادی کے جواز پر آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، آثاروروایات اور تعاملِ صحابہ سے زبردست دلائل دیے گئے ہیں۔

[8] سعودی عالم، فقیہ اور مجلس کبار علماء کے رکن ہیں، لڑکی کے لئے 16 سال اور لڑکے کے لئے 18 سال کی عمر شادی کے لئے زیادہ موزوں اور مناسب قرار دیتے ہیں۔ http://yemeniamerican.com/show.php?ynid=1410

[9] عظیم سعودی علماء میں سے ہیں، دیوان مملکت کے مشیر ہیں۔ ملاحظہ ہو: مجیب الحمیدی، ابن عثیمین والعبیکان والقرضاوی یؤیدان تحدیدسن الزواج

[10] http://yemeniamerican.com/show.php?ynid=1410

[11] سورۃ النساء 4: 6

[12] القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب في النکاح بالنطق والبکر بالسکوت۔

[13] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحیل، باب فی النکاح، ح6968، ج4، ص309

[14] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح/باب المراۃ راعیة فی بیت زوجھا، ح5200، ج3، ص375

[15] سورۃ النساء 4: 95

[16] سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب التعدی فی الطلاق، ح1069، ج1، ص263

[17] ابن ابی شیبه، المصنف، کتاب الحدود، باب فی الرجل یسرق التمر والطعام، ح6، ج4، ص526

[18] جیسا کہ ابن عبدالسلام نے لکھا ہے "ان الشریعة کلھا مصلحة اما درء مفاسد اوجلب منفعة" دیکھئے: قواعد الاحکام

[19] ابن ماجه، سنن ابن ماجه، کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقه مایضر بجاره، ح2341، ص400۔

[20] النساء، 4: 127

[21] سورۃ الشوری 42: 21

[22] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب انکاح الرجل ولده الصغار لقوله تعالی واللائی لم یحضن۔۔۔فجعل عدتھا ثلاثة اشھر قبل البلوغ، ح5133، ج3، ص357

[23] علی القاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب الولی، الفصل الاول، کوئٹہ: مطبعہ رشیدیہ، س ن، ج6، ص294

[24] ابن الہمام/ فتح القدیر، کتاب النکاح، باب الاولیا والاکفاء(بیروت: دار الفکر، س ن، ج1، ص276

[25] لبخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور الصلح مردود، ح 2697، ج2، ص652

[26] سورۃ النساء 4:21

[27] ابن فارس، معجم المقاییس فی اللغۃ، ج1، ص301، الزبدی، مرتضی، تاج العروس، ج22، ص444

[28] الفیروزآبادی، القاموس المحیط، ج1، ص1007

[29] الشافعی، الام، ج5، ص22

[30] ابن نجیم الحنفی، البحر الرائق، ج8، ص96

[31] الخرشی، شرح مختصر خلیل، ج5، ص291

[32] العاصمی، حاشیہ الروض المربع، ج1، ص419

[33] زیدان، المفصل فی احکام المراۃ والبیت المسلم، ج6، ص395

[34] ابن عابدین، حاشیۃ ابن عابدین، ج6ص163' الکاسانی، بدائع الصنائع، ج7ص172 وغیرہ۔

[35] ابن رشد، بدایۃ المجتہد ج2، ص405

[36] الخرشی، شرح مختصر خلیل، ج5، ص291

[37] الماوردی، الحاوی الکبیر، ج6، ص344' ابن قدامۃ، المغنی، ج4، ص509

[38] ' الکاسانی، بدائع الصنائع، ج7، ص172

[39] المرغینانی، الھدایۃ، ج3، ص1351

[40] الخرشی، شرح مختصر خلیل، ج5، ص291

[41] سورۃ الانعام:152

[42] الزیلعی، نصب الرایۃ، کتاب الحجر، فصل فی حد البلوغ، ج4ص394

[43] الطحاوی، شرح معانی الآثار، ج3، ص220

[44] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشھادات، باب بلوغ الصبیان وشھادتھم،

[45] ایضا

[46] ابن ابی شیبۃ، المصنف، کتاب المغازی، باب ھذا ما حفظ ابو بکر فی احد وما جاء فیھا، ح25، جلد8، ص489

[47] الدارقطنی، سنن الدارقطنی، کتاب السیر، ح4202۔ جلد5، ص203

[48] ابن الملقن، البدر المنیر، کتاب الحجر، ح1241۔ جلد3، ص106

[49] ابن قدامۃ، المغنی، ج4ص508' الماوردی، الحاوی الکبیر ج6، ص346

[50] سورۃ النور 24:59

[51] ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا، ح4403

[52] ایضا، ح4402

[53] ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فی الغسل یوم الجمعۃ، ح342

[54] العظیم آبادی، شمس الحق، عون المعبود، ج2ص7

[55] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الغسل وقول اللہ (وان کنتم جنبا فاطھروا)، باب اذا احتلمت المراۃ، ح282

[56] یہ عربی زبان میں خوش طبعی کے طور پر بولا جاتا ہے، اس کا معنی ظاہری الفاظ پر محمول نہیں ہوتا۔

[57] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم، ح130-یعنی اگر اس کا پانی نہ ہوتا تو اس کے مشابہ اولاد کیسے ہوتی، یہاں استفہام انکاری ہے۔

[58] البیھقی، سنن الکبری، کتاب الحجر، باب البلوغ باالاحتلام، ح 11310۔

[59] ابن حجر، فتح الباری، ج5ص610۔

[60] النسائی، سنن النسائی، کتاب قطع السارق، باب حد البلوغ وذکر السن الذی اذا بلغھا الرجل او المراۃ اقیم علیھا الحد، ح4981۔

[61] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب مناقب الانصار، باب مناقب سعد بن معاذ، ح3804۔

[62] اس مذہب پر حنفیہ نے احادیث' قیاس اور دلائل عقلیہ سے استدلال کیا ہے۔ حنفیہ نے عقلی دلیل سے استدلال کرتے ہوئے موقف اپنایا کہ زیر ناف بالوں کا اگنا بلوغت کی علامت نہیں ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ بالوں کا اگنا لوگوں کے مزاج اور ماحول کی بنیاد پر مختلف ہوتا ہے، مثلاً ہندوستانی لوگوں میں بہ نسبت ترکوں کے بال جلد نکل آتے ہیں، لہٰذا بالوں کے اگنے کو بلوغت کی علامت قرار دینا عقلاً درست نہیں ہے۔ دیکھئے: السرخسی، المبسوط، ج10، ص27

[63] السرخسی، البسوط، ج10، ص27

[64] ابن عبدالبر، الکافی فی فقہ اھل المدینۃ، ص118، القرافی، الذخیرۃ، ج8ص238، الماوردی، الحاوی الکبیر، ج6ص343۔، العاصمی، حاشیۃ الروض المربع، ج5، ص184

[65] الماوردی، الحاوی الکبیر، ج6، ص343

[66] ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فیما تبدی المراۃ من زینتھا، ح4104

[67] ابن حجر، فتح الباری، ج5، ص610

[68] سورۃ الطارق7:86

[69] الخرشی، شرح مختصر خلیل، ج5، ص291

[70] عبدالرزاق، المصنف، کتاب اللقطۃ، باب لا قطع علی من لا یحالم، ج10، ص178

[71] ابن ابی شیبۃ، المصنف، کتاب الحدود، باب فی الغلام یسرق اویاتی الحد، ج6، ص471

[72] ابن حزم، المحلی، ج8، ص50

[73] دیکھئے: الماوردی، الحاوی الکبیر، ج13، ص279

[74] السباعی، المراۃ بین الفقہ والقانون، ص59